فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

"تو پوچھ لیا کرو ان سے جو جانتے ہیں، اگر تم نہیں جانتے" (ترجمہ شیخ الہندؒ)

فتاوی یسئلونک

دار الافتاء والارشاد

الباقیات الصالحات فاؤنڈیشن رجسٹرڈ

شمارہ 30 | جمعۃ المبارک 27 محرم الحرام 1441ھ 27 ستمبر 2019ء

سوال ارسال کرنے کے طریقے

- **بالمشافہ**: سوالات تحریری صورت میں متعین سوالنامے پر بالمشافہ جمع کروائیں۔
- **بذریعہ ویب سائٹ**: www.yasalunak.com پر موجود سوالنامے کے ذریعے ارسال کریں۔
- **بذریعہ برقی مراسلہ**: ask@yasalunak.com پر برقی مراسلے (ای میل) کی صورت میں ارسال کریں۔
- **بذریعہ واٹس ایپ**: 0333-9206874 پر مکمل نام کے ساتھ واٹس ایپ کریں۔

نوٹ: جوابات/فتاویٰ سوالات موصول ہونے کی ترتیب سے ارسال کیے جاتے ہیں۔

دار الافتاء والارشاد، الباقیات الصالحات فاؤنڈیشن رجسٹرڈ، فقہ اکیڈمی C-335 بلاک 1، گلستان جوہر، کراچی

سوال: کیا سال پورا ہونے سے قبل زکوٰۃ کی ادائیگی شروع کرنا جائز ہے؟

جواب: اگر کوئی شخص صاحب نصاب ہو اور آئندہ سال (جس کی ادائیگی زکوٰۃ تاحال واجب نہیں ہوئی) کی زکوٰۃ بھی تاریخ آنے سے پہلے ہی نکالنا شروع کردے تو یہ جائز ہے اور یہ ادا کردہ رقم آئندہ سال کی زکوٰۃ سے محسوب ہوگی بشرطیکہ زکوٰۃ کا وقت آنے تک اس کا نصاب برقرار رہے۔

(قوله: ولو عجل ذو نصاب) قيد بكونه ذا نصاب؛ لأنه لو ملك أقل منه فعجل خمسة عن مائتين ثم تم الحول على مائتين لا يجوز، وفيه شرطان آخران: أن لا ينقطع النصاب في أثناء الحول، فلو عجل خمسة من مائتين ثم هلك ما في يده إلا درهما ثم استفاد فتم الحول على مائتين جاز ما عجل، بخلاف ما لو هلك الكل-وأن يكون النصاب كاملا في آخر الحول؛ فلو عجل شاة من أربعين وحال الحول وعنده تسعة وثلاثون، فإن كان دفعها للفقير وقعت نفلا، وإن كانت قائمة في يد الساعي فالمختار كما في الخلاصة وقوعها زكاة، وتمامه في النهر والبحر. (رد المحتار، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم)

سوال: اگر حساب کتاب میں غلطی کی وجہ سے زکوٰۃ زیادہ نکال لی جائے تو کیا اگلے سال کی زکوٰۃ سے منہا کی جاسکتی ہے؟

جواب: اگر غلطی کی وجہ سے زیادہ رقم ادا کردی گئی ہے، تو زائد رقم کو اگلے سالوں کی زکوٰۃ میں محسوب کیا جاسکتا ہے، بشرطکہ مستحق شخص اس رقم کو خرچ نہ کرچکا ہو۔

(وشرط صحة أدائها نية مقارنة له) أي للأداء (ولو) كانت المقارنة (حكما) كما لو دفع بلا نية ثم نوى والمال قائم في يد الفقير. وفي الشامية: وإنما اكتفى بالنية عند العزل كما سيأتي لأن الدفع يتفرق فيتخرج باستحضار النية عند كل دفع فاكتفى بذلك للحرج بحر، والمراد مقارنتها للدفع إلى الفقير، وأما المقارنة للدفع إلى الوكيل فهي من الحكمية كما يأتي ط (قوله: والمال قائم في يد الفقير) بخلاف ما إذا نوى بعد هلاكه بحر. وظاهره أن المراد بقيامه في يد الفقير بقاؤه في ملكه لا اليد الحقيقية، وأن النية تجزيه مادام في ملك الفقير، ولو بعد أيام. (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب الزكاة)

سوال: جس دن بندہ صاحب نصاب ہوتا ہے، سال گزرنے پر اسی تاریخ کو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ کیا یہ بات درست ہے؟

جواب: جی یہ بات درست ہے پہلی بار چاند کی جس تاریخ کو انسان صاحب نصاب ہو سال گزرنے کے بعد اسی تاریخ پر سال پورا ہوگا اور اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہوگی۔

والمراد بكونه حوليا أن يتم الحول عليه، وهو في ملكه لقوله - عليه الصلاة والسلام - »لا زكاة في مال حتى يحول عليه الحول« قال في الغاية: سمي حولا؛ لأن الأحوال تحول فيه، وفي القنية العبرة في الزكاة للحول القمري (البحر الرائق، كتاب الزكاة، شروط وجوب الزكاة)

سوال: خواتین کے پیڈز کو کسی polythene bag میں لپیٹ کر پھینک دیا جائے یا اسے بھی پانی سے دھو کر ڈسپوز آف کیا جائے؟ اس معاملے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: فقہاء کے مطابق انسانی ناخن اور زیر ناف بال وغیرہ دفنا دینا پھینکنے سے بہتر ہے۔ اور تحقیق کے مطابق یہ پیڈز پانی میں گھل کر ختم بھی نہیں ہوتے۔ اس لیے ان کے معاملے میں بھی بہتر یہی ہے کہ انھیں کسی کپڑے یا پلاسٹک میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے۔ تاہم اگر دفنانے کی بجائے انھیں پانی کے ساتھ بہا دیا جائے یا لپیٹ کر کوڑے دان میں پھینک دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔

فإذا قلم أظفاره أو جز شعره ينبغي أن يدفن ذلك الظفر والشعر المجزوز فإن رمى به فلا بأس وإن ألقاه في الكنيف أو في المغتسل يكره ذلك لأن ذلك يورث داء كذا في فتاوى قاضي خان. يدفن أربعة الظفر والشعر وخرقة الحيض والدم كذا في الفتاوى العتابية. (الفتاوى الهندية، كتاب الكراهية، الباب التاسع

عشر فی الختان والخصاء وحلق المرأۃ...)

سوال: حکومت نے چالیس ہزار والا بونڈ بند کر دیا ہے اب کہہ رہے ہیں کہ جن لوگوں کے پاس یہ بانڈ ہے وہ بینک میں جمع کروادیں اور بینک میں فارم فل کروالیں اب لوگ ایسا کررہے ہیں کہ اگر چالیس ہزار والا بانڈ اپنے اکاؤنٹ میں جمع کروائیں گے تو ان کی ویلتھ پکڑی جائے گی تو ایسے لوگوں سے رابطہ کررہے ہیں جن کی انکم صحیح ہے اور ان کا کوئی بانڈ نہیں ہے تو ان سے کہہ رہے ہیں کہ ہمارا چالیس ہزار والا بانڈ تیس ہزار میں لے لیں، جبکہ خود انہیں چالیس ہزار ملیں گے تو ایسا کرنا کیا جائز ہے؟

جواب: بانڈ قرض کی رسید کے حکم میں ہے اور اس رسید کی بیع اسی قیمت میں تو جائز ہے جو قیمت اس پر لکھی ہوئی ہے اس قیمت سے کم یا زیادہ میں اس رسید کی خرید وفروخت جائز نہیں، لہذا صورت مسئولہ میں چالیس ہزار والا بانڈ چالیس ہزار میں ہی خریدنا یا بیچنا جائز ہے اس سے کم زیادہ میں خرید وفروخت جائز نہیں۔ اور واضح رہے کہ بانڈ پر ملنے والی اضافی رقم کا استعمال کسی صورت میں جائز نہیں اگر کسی کو اضافی رقم ملی تو اس رقم کا صدقہ کرنا ضروری ہے۔

وفی الأشباه كل قرض جر نفعا حرام (الدر المختار، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل فی القرض)

سوال: میرے والد صاحب مجھ سے بات نہیں کرتے ہیں، ایک دفعہ تو ابو نے یہاں تک کہا کہ یہ میرے جنازے میں نہیں آئے گا، میں نے معافی بھی بہت مانگی، لیکن ابو معاف نہیں کرتے۔ اب میرا کھانا بھی الگ ہوگیا ہے تو میرے لیے کیا حکم ہے؟ میری چھوٹی سی غلطی ابو کی نظر میں بہت بڑی غلطی ہوتی ہے۔ میرا مدرسے میں پڑھنا ابو کو پسند نہیں درجہ ثالثہ میں میں نے چھوڑ دیا تھا۔

جواب: جس وجہ سے وہ ناراض ہیں اس غلطی کو ختم کر کے والد صاحب سے معافی مانگیں اور آئندہ کے لیے ان کی ناراضگی والے کاموں سے پرہیز کریں البتہ اگر وہ اللہ تعالی کے کسی حکم کو پورا کرنے پر ناراض ہوں تو اس وقت ان کی مخالفت جائز ہے۔ اسی طرح اگر وہ محتاجِ خدمت نہ ہوں اور اس کے باوجود کسی دینی کام مثلاً دینی تعلیم وغیرہ سے روکیں تو اس صورت میں ان کی بات نہ ماننا جائز ہے، البتہ آپ کے والد کو اگر آپ کی خدمت کی ضرورت ہے تو اس وقت دینی تعلیم چھوڑنا درست ہے۔ لیکن اگر ان کو خدمت کی ضرورت نہیں تو اس وقت دینی تعلیم چھوڑنا درست نہیں۔ حدیث شریف میں ہے: عن علی عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: لا طاعة لمخلوق فی معصیة الله عز وجل (مسند احمد، ومن مسند علی بن أبی طالب رضی الله عنه)

ترجمہ: ”حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اللہ کی معصیت والے کاموں میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں“۔

(الف) لا یحل سفر فیه خطر إلا بإذنهما. وما لا خطر فیه یحل بلا إذن ومنه السفر فی طلب العلم... وفی الرد: (قوله وما لا خطر كالسفر للتجارة والحج والعمرة يحل بلا إذن إلا إن خيف عليهما الضيعة سرخسی (قوله ومنه السفر فی طلب العلم)؛ لأنه أولى من التجارة إذا كان الطريق آمنا ولم يخف عليهما الضيعة (الدر المختار مع الرد، كتاب الجهاد)

(ب) وله الخروج لطلب العلم الشرعی بلا إذن والديه لو ملتحيا (الدر المختار، كتاب الجهاد)

سوال: میرے ذہن میں ایک سوال ہے جس کا مجھے صحیح جواب نہیں مل رہا ہے، وہ سوال یہ ہے کہ نبی اور رسول میں کیا فرق ہے؟ ہم نے بچپن سے اپنے والدین سے یہی سنا ہے کہ نبی وہ ہیں

جن کو اللہ نے شریعت نہیں دی اور رسول وہ ہیں، جن کو اللہ نے کتاب وشریعت دی، اب میں قرآن کریم پڑھ رہا تھا اور سورہ مریم آیت نمبر ۵۴ میں اللہ پاک نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر فرمایا اور ان کو نبی اور رسول دونوں سے مخاطب فرمایا۔ برائے مہربانی اس آیت کی وضاحت فرمادیں اور نبی اور رسول کے فرق کو بھی واضح کردیں۔ جزاک اللہ خیراً

جواب: نبی اور رسول کے حوالے سے علماء کے اقوال مختلف ہیں، زیادہ راجح یہ ہے کہ رسول اسے کہتے ہیں جو نئی شریعت لے کر آیا ہو، اور اس کی دو صورتیں ہیں: پہلی تو یہ کہ وہ شریعت بالکل ہی نئی ہو، جسے کسی نبی نے ان سے پہلے پیش نہ کیا ہو یا دوسری یہ کہ اس سے پہلے وہ شریعت آچکی ہو لیکن قوم کے لیے وہ نئی ہو، جیسے سوال میں ذکر کردہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شریعت ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہی شریعت تھی، لیکن قوم جرہم کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذریعہ ہی اس کا علم ہوا، گویا یہ شریعت اس قوم کے لیے نئی تھی اور نبی اسے کہتے ہیں، جس پر وحی آتی ہو، خواہ وہ نئی شریعت لے کر آیا ہو یا کسی قدیم شریعت ہی کا مبلغ ہو، جیسے اکثر انبیاء بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی تبلیغ کرتے تھے۔ جیسا کہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عثمانی میں لکھتے ہیں: ”جس آدمی کو اللہ کی طرف سے وحی آئے وہ نبی ہے، انبیاء میں سے جن کو خصوصی امتیاز حاصل ہو، یعنی مکذبین کے مقابلہ پر جداگانہ امت کی طرف مبعوث ہوں یا نئی کتاب اور مستقل شریعت رکھتے ہوں، وہ رسول نبی یا نبی رسول کہلاتے ہیں۔ شرعیات میں جزئی تصرف مثلاً کسی عام کی تخصیص یا مطلق کی تقیید وغیرہ رسول کے ساتھ خاص نہیں، عام انبیاء بھی کرسکتے ہیں۔ باقی غیر انبیاء پر رسول یا مرسل کا اطلاق جیسا کہ قرآن کے بعض مواضع میں پایا جاتا ہے وہ اس معنی مصطلح کے اعتبار سے نہیں۔ وہاں دوسری حیثیات معتبر ہیں“۔ (تفسیر عثمانی، جلد 2، صفحہ 685، مکتبۃ البشریٰ)

سوال: کیا رائے ہے مفتیان کرام کی اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنی وفات کے وقت اپنی فوت شدہ نمازوں کے فدیہ کے بارے میں کوئی وصیت نہیں کی، اب مرحوم کے ورثاء اپنے مال میں سے مرحوم کے ایصال ثواب کے لیے کچھ رقم خرچ کرنا چاہتے ہیں، اس رقم کو مرحوم کی فوت شدہ نمازوں کے فدیہ کے طور پر خرچ کرنا افضل ہے یا صدقہ جاریہ مثلاً مسجد تعمیر کرنا یا کنواں کھدوا کر عوام الناس کے لیے وقف کرنا افضل ہے؟

جواب: کسی شخص کے ذمہ نمازیں باقی ہوں وہ ان کو ادا نہ کرسکے نیز ان نمازوں کے فدیے کی وصیت بھی نہ کرپائے تو ورثاء پر لازم نہیں کہ اپنی طرف سے اس شخص کی نمازوں کا فدیہ ادا کریں لیکن اگر ورثاء اپنے مال سے مرحوم کی نمازوں اور روزوں کا فدیہ ادا کریں تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ قبول فرماکر مرحوم کو معاف فرمادیں گے۔ مرحوم کی فوت شدہ نمازوں اور روزوں کا فدیہ ادا کرنا صدقہ جاریہ میں رقم صرف کرنے سے زیادہ افضل ہے اس لیے اس پر عمل کیا جائے۔

(الف) وإن لم يوص لا يجب على الورثة الإطعام لأنها عبادة فلا تؤدى إلا بأمره إن فعلوا ذلك جاز ويكون له ثواب (رد المحتار، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم)

(ب) الفرض أفضل من تطوع عابد... حتى ولو قد جاء منه بأكثر إلا التطهر قبل وقت وابتداء... للسلام كذاك إبرا معسر. (الدر المختار، كتاب الطهارة، سنن الوضوء)

ختم شد